اسلام کا تصور نبوت و رسالت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی*

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم، اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم و ما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ صدق اللہ العظیم۔

اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو تخلیق کیا اور تکمیل کے بعد فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ تمام ملائکہ سجدہ ریز ہوگئے، ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور جب بارگاہ الٰہی سے اس بارے میں استفسار ہوا تو جواب دیا۔

انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین[۲] میں اس آدم سے بہتر ہوں، تونے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے، پھر اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو جنت میں رہنے کی ہدایت کی اور ایک مخصوص درخت کے کھانے سے ممانعت کردی، آدم و حوا نے ابلیس کے بہکانے سے اس درخت سے کھا لیا، اس پر ان سے بازپرس ہوئی تو ان دونوں نے بیک زبان جواب دیا:

ربنا ظلمنا انفسنا[۳] اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے جواب میں اسے سزا سنائی۔ علیک لعنتی الی یوم الدین[۴] تجھ پر قیامت تک میری لعنت ہوتی رہے گی اور آدم کی معذرت قبول کرتے ہوئے اسے زمین پر ایسا گھر عطا فرمایا جس کے متعلق ارشاد فرمایا:

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً و ھدی للعلمین[۵] اور یہی گھر ہے کہ جو انسانوں کی بقاء کی ضمانت۔ جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ۔ پنجاب یونیورسٹی

للناس۔[۵] ایک انسان اگر اپنے آپ کو خانہ کعبہ سے علیحدہ کر لیتا ہے' اس کی ہدایات سے روگردانی کرتا ہے تو انسانوں کی صف سے نکل جاتا ہے۔ اولئک کالا نعام بل هم اضل[۷]

انسانوں کو صف انسانیت میں رکھنے' ابلیس کے حملوں سے حفاظت کے لیے حق جل مجدہ نے ادارۂ نبوت و رسالت قائم فرمایا' جس کا آغاز حضرت آدم سے ہوا اور مختلف مراحل طے کرتا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ادارہ اپنے عروج و کمال کو پہنچا۔ اورۂ نبوت و رسالت کیا ہے' نبی اور رسول کسے کہتے ہیں' ان پر نازل ہونے والی وحی کی حقیقت کیا ہے' ختمی مرتبت پر اس کے عروج و کمال کا مفہوم کیا ہے' ان سوالات کا جواب ہم انشاء اللہ ان سطور میں دینے کی کوشش کریں گے۔

نبوت کا مفہوم

نبوت کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے محمد اعلیٰ تھانوی لکھتے ہیں:

"نبی یا تو نباء سے مشتق ہے اور نبا کے معنی خبر دینا ہے' اس لحاظ سے نبی کے معنی خبر دینے والا ہوں گے یا نبی نبوت سے ماخوذ ہے اور نبوۃ کے معنی بلند ہونا اور نبی یعنی بلند و عالی شخصیت"[۸]

علامہ ابن منظور نبی کا لغوی مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

المخبر عن اللہ عز و جل[۹]

اللہ کی طرف سے خبر دینے والا۔

راغب اصفہانی نے نبی کا مفہوم بیان کرنے سے پہلے نبا کے لفظ پر طویل بحث کی ہے اور قرآن کریم کی آیات سے ثابت کیا ہے کہ نبا جس خبر کو کہا جاتا ہے' اس میں حسب ذیل خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ خبر انسانوں کے بڑے فائدہ کی حامل ہو۔
۲۔ خبر اس قدر یقینی ہو کہ وہ علم کا فائدہ دے۔
۳۔ اگر علم کا فائدہ نہیں دے رہی تو کم از کم غلبہ ظن کا فائدہ دے۔

اس پس منظر کے بعد نبوت کے معنی لکھتے ہیں:

النبوۃ سفارۃ بین اللہ و بین ذوی العقول من عبادہ لا زاحۃ علتهم فی امر معادهم و معاشهم[۱۱]

نبوت اللہ اور اس کے ذی شعور بندوں کے درمیان سفارت کا نام ہے تاکہ دنیا و آخرت کے مشکل امور کو انہیں سمجھایا جاسکے۔

نبی کا اصطلاحی مفہوم

نبی کے لغوی مفہوم کو سمجھنے کے بعد اب نبی کے اصطلاحی معنی و مفہوم پر غور کرتے ہیں:

اشاعرہ کے نزدیک نبی وہ ہستی ہے جسے اللہ تعالیٰ یہ فرمائیں کہ میں نے تجھے منتخب کیا' یا فلاں لوگوں یا سب کی طرف مبعوث کیا۔

فلاسفہ کے نزدیک نبی کی تین خصوصیات ہیں:

۱۔ موجود' گزشتہ اور آنے والے مغیبات کا علم۔

۲۔ معجزات کا ظہور۔

۳۔ ملائکہ کو ان کی اصل شکل میں دیکھا ہو' ان کے ذریعہ سے اللہ کی وحی سنی ہو۔(۱۲)

امام قرطبی نبی کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں و معنی انبا عن اللہ عز و جل(۱۳)

نبی کے معنی جو اللہ تعالیٰ سے خبریں لائے۔

نبی اور رسول میں فرق

نبی اور رسول میں فرق بیان کرتے ہوئے امام رازی لکھتے ہیں:

"الرسول ھوالذی حدث و ارسل و النبی ھو الذی لم یرسل ولکنہ الھم او رای فی النوم(۴)

رسول وہ ہے جس پر اللہ کی وحی آئی ہو اور اسے کسی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہو' اور نبی وہ ہے جسے مبعوث نہ کیا گیا ہو' لیکن اس کا الہام کیا گیا ہو یا اس نے خواب میں دیکھا ہو۔

علامہ آلوسی نے روح المعانی میں نبی اور رسول کے فرق کو زیادہ واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ علامہ لکھتے ہیں:

"الرسول ذکر حربعثہ اللہ تعالیٰ بشرع جدید یدعوا الناس الیہ و النبی یعمہ و من بعثہ لتقریر شرع سابق کانبیاء بنی اسرائیل کا نو بین موسیٰ و عیسیٰ علیھم السلام(۱۵)

رسول وہ مرد آزاد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نئی شریعت کے ساتھ بھیجا ہو' جو لوگوں کو اس شریعت کی طرف بلائے اور نبی اس کی نسبت عام ہے یعنی وہ شخص جو کسی سابق شریعت کی نشاۃ ثانیہ کے لیے آئے جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان بنی اسرائیل انبیاء آئے۔

اس فرق کی رو سے رسول کے لیے حسب ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہوا۔

۱۔ مرد ہو۔
۲۔ آزاد ہو غلام نہ ہو۔
۳۔ معجزات کا حامل ہو۔
۴۔ فرشتہ کو اپنی اصل صورت میں دیکھا ہو۔
۵۔ اللہ کی طرف سے مبعوث ہو۔
۶۔ نئی شریعت، نئی کتاب لے کر آیا ہو، اس نے گزشتہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہو۔
۷۔ لوگوں کو اپنے دین، اپنی شریعت کی طرف بلاتا ہو۔
جبکہ نبی میں شرط نمبر۶ کے سوا تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

محدث کے معنی

محدث، حدیث سے مشتق ہے، اور حدیث کے معنی گفتگو کے آتے ہیں۔ محدث کے معنی پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

"محدث کے معنی، جس سے بات کی جائے، یہاں مراد یہ ہے کہ فرشتہ جس سے کلام کرے۔"(۱۶)

یعنی قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شخص ایسی مکمل اتباع اور پیروی کرتا ہے کہ اسے یہ مقام نصیب ہوجاتا ہے کہ اسے ملاء اعلیٰ سے قرب نصیب ہوجاتا ہے اور ملاء اعلیٰ کی گفتگو سے کچھ باتیں جو ابھی بصورت وحی نازل نہیں ہوئیں، پہلے ہی بتا دیتا ہے جیسے حضرت عمر فاروقؓ وحی کے نزول سے پہلے کوئی بات فرماتے اور اسی حکم کی وحی بلکہ بعض اوقات، انہی الفاظ کی وحی نازل ہوجاتی۔

یہ بات بندہ میں قرآن کریم اور نبی کریم کی مکمل اتباع اور پیروی کے نتیجہ میں پیدا ہوسکتی ہے، قرآن کے چھوڑنے یا اس سے مقابلہ کرنے کی صورت میں نہیں۔ اس کو بالفاظ دیگر یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک شخص جو قرآن کریم اور نبی کریم کے احکام و تعلیمات کی مکمل پیروی کرتا ہے، وہ شخص کتاب کے احکام کے اسلوب اور مزاج نبوی سے آشنا ہوجاتا ہے، مزاج نبوی سے اس آشنائی اور گہری مناسبت کی وجہ سے وہ کوئی بات کرتا ہے جو احکام قرآنی کے اسلوب سے اور مزاج نبوت سے مناسبت رکھتی ہے، اور بعض اوقات وہ بات اسی طرح وحی بن کر نازل ہوجاتی ہے۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ ایسا شخص کسی بھی درجہ میں بھی نبوت میں شریک نہیں ہوتا۔ مقام نبوت و رسالت اس سے بہت بلند و عالی ہے بلکہ اس کے اور مقام نبوت کے درمیاں مقام

صد یقیت حائل ہے۔

الہام کے معنی

امام راغب اصفہانی الہام کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"القاء الشئی فی الروع و یختص ذالک لما کان من جهة الله و جهة الملاء الا علیٰ (۴)

کسی چیز کا دل میں ڈالنا' اور یہ چیز یا تو اللہ کی جانب سے ہو یا ملاء کی اعلیٰ کی طرف سے۔

دراصل الہام کے لغوی معنی کسی چیز کو نگلنا' نگلوانا یا گلے سے نیچے اتارنا یا کسی دوسری چیز میں جذب کر دینا ہیں۔(۱۸) اس مناسبت سے کسی خیال' نظریہ یا فکر کا دل میں اتر جانا الہام کہلاتا ہے۔ اور جس شخص کو یہ کیفیت محسوس ہو' وہ ملہم کہلاتا ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ الہام کبھی ایسا خیال ہوتا ہے جو باہر سے انسان کے دل پر اثر انداز ہوا ہے اور کبھی انسان کے اپنے دل کی بات دماغ سے ٹکراتی ہے اور اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ آواز باہر سے آئی ہے' اسے وہ الہام سمجھتا ہے حالانکہ وہ الہام نہیں حدیث نفس یعنی اپنے ہی دل کی بات ہوتی ہے۔ اس کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ جیسے ایک تالاب میں فوارہ لگا ہو' وہ فوارہ اس تالاب سے پانی لے کر ایک خاص اونچائی تک بلند کرے اور پھر وہ پانی اسی تالاب میں قطروں کی شکل میں گر جائے۔ کوئی شخص فوارہ کو دیکھے' نہ پانی کے بلند ہونے کو' وہ صرف پانی کے قطروں کو پانی میں گرتا ہوا دیکھے تو سمجھے گا کہ یہ پانی آسمان سے برس رہا ہے' حالانکہ وہ اسی تالاب کا پانی ہے جو دوبارہ اس میں گر رہا ہے۔

وحی کا لغوی مفہوم

علامہ ابن منظور وحی کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"الوحی الاشارة و الکتابة و الرسالة والالهام و الکلام الخفی و کل ما القیته الی غیرک (۱۹)

وحی اشارہ' تحریر' خط' الہام' خفیہ بات چیت یا ہر اس چیز کا نام ہے جو تو دوسروں کے دل میں ڈالے۔

یعنی لفظی اور لغوی اعتبار سے کسی اشارہ' تحریر خط اور الہام یا گفتگو کو وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ابن منظور کی اس عبارت سے وحی کے معنی کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ قران کریم میں

بھی وحی کا لفظ اسی طرح مختلف اور متنوع معانی میں استعمال ہوا ہے۔ وحی کے اصطلاحی مفہوم پر غور کرنے سے پہلے قران کریم میں اس کے استعمالات کی روشنی میں اس کے معنی کی وسعت کا اندازہ لگا لیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

قرآن کریم میں وحی کا لفظ

قرآن کریم میں وحی کا مختلف اشتقاقات کے ساتھ کل ۷۹ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ ان استعمالات میں یہ بات قابل غور ہے کہ ۱۳ مرتبہ یہ لفظ غیر انبیاء کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ان استعمالات میں ہاتھ سے اشارہ کے لیے یہ لفظ ایک مرتبہ استعمال ہوا جہاں حضرت زکریا کا واقعہ نقل کیا گیا کہ جب حضرت زکریا کو تین دن کے لیے گفتگو سے منع کر دیا گیا تو آپ نے اپنی قوم کو اللہ کی تسبیح اور حمد و ثناء میں مشغول رہنے کا حکم اشارہ کے ذریعے سے دیا۔ ارشادا ہوا:

فخرج علٰی قومه من المحراب فاوحی الیهم ان سبحوا بکرة و عشیا[۲۰]

تین مرتبہ یہ لفظ الہام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[۲۱]

اس الہام میں نہ صرف غیر انبیاء کی طرف وحی کی نسبت کی گئی بلکہ ایک مقام پر مکھی کی جانب بھی اللہ کی وحی کا ذکر آیا۔[۲۲]

دو مقامات پر یہ لفظ شیطان اور جنات کے وسوسوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جن میں شیطان اور جنات کے وحی کرنے کا ذکر ہے۔[۲۳]

قرآن کریم میں بقیہ تمام مقامات پر وحی کا لفظ حکم اور پیغام ربانی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الانعام میں اس شخص کو ظالم ترین شخص قرار دیا گیا ہے کہ جو یہ جھوٹا دعویٰ کرے کہ مجھ پر اللہ کی وحی آتی ہے۔ ارشاد ہوا۔

و من اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا او قال اوحی الی ولم یوح الیه شئی و من قال سانزل مثل ما انزل اللہ[۲۴]

اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آتی' اور یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ نے نازل کیا ہے' اس طرح کا میں بھی لاتا ہوں۔

یعنی ایسا شخص جو خدا کی خدائی میں شریک ہونا چاہتا یا نبی کی نبوت میں' یکساں عذاب اور ایک ہی سی لعنت کا مستحق ہے۔

وحی کے اصطلاحی معنی

لفظی و لغوی اعتبار سے اور قران کریم میں وحی کے لفظ کے استعمالات کی روشنی میں وحی کے مختلف معانی کو سمجھنے کے بعد اب وحی کا شرعی اور اصطلاحی مفہوم سمجھنے کی ضرورت ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں :

"وحی اشارہ کو کہتے ہیں اور وہ ایک ایسا مختصر اشارہ ہوتا ہے جو تفصیل کی نشاندہی کرتا ہے۔(۲۵)

یعنی انبیاء پر نازل ہونے والی وحی حق جل مجدہ کی طرف سے ایک ایسا خفیہ اور سریع اشارہ ہوتی ہے جو اختصار اور سرعت کے باوجود اپنے اندر معانی اور تفصیلات کا ایک سمندر رکھتی ہے۔ اللہ کا نبی اس مختصر کوزہ کو اپنی اصلی حالت میں تلاوت کرنے کے بعد اپنے قول و عمل سے اس کی تفصیلات بیان کرتا ہے۔

وحی کے اصطلاحی مفہوم اور قران کریم میں اس کے وسیع المعانی استعمالات سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آگئی کہ وحی کا لفظ صرف مخصوص و متعین معانی یا فقط اصطلاحی مفہوم کے لیے نہیں بولا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لفظ قرآن کریم میں بارہا غیر انبیاء کے لیے بھی استعمال ہوا۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اگر کسی شخص کے اپنے دعویٰ پر نہیں بلکہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں کسی پر وحی کے نزول کا ذکر کریں تو اس کا لازمی مفہوم یہ نہیں کہ وہ نبی بھی ہو۔ مثلاً آسمان کی جانب وحی کا ذکر(۲۶)، حضرت موسیٰ کی والدہ کی جانب وحی کا ذکر،(۲۷) ملا ئکہ کی طرف وحی کا ذکر(۲۸) یا شہد کی مکھی کی طرف وحی کا ذکر(۲۹) آسمان، والدہ موسیٰ، ملا ئکہ، شہد کی مکھی کی نبوت کی دلیل نہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مخلوق اللہ کی نبی ہے نہ اس نے اس بنیاد پر دعویٰ نبوت کیا۔ بایں ہمہ، وحی نبوت کی سب سے مضبوط دلیل ہے۔ لیکن جب یہ مضبوط دلیل بھی دیگر دلائل کے بغیر نبوت کے لیے کافی نہیں تو محض الہام یا کلام سے نبوت کا دعویٰ کس طرح کیا جاسکتا ہے؟

وحی اور الہام میں فرق

الہام اور وحی کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم سے ان دونوں کے درمیان فرق کی جو جہتیں سامنے آتی ہیں، انہیں حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ وحی صرف اور صرف کلام اللہ ہوتی ہے جبکہ الہام اللہ کا کلام بھی ہوسکتا ہے، فرشتہ کا بھی ہوسکتا ہے اور خود اس کا اپنا بھی۔

۲۔ نبی پر نازل ہونے والی اللہ کی وحی شیطان کی ہر قسم کی دستبرد سے باہر ہوتی ہے جبکہ الہام کی اس طرح حفاظت نہیں کی جاتی۔

۳۔ انبیاء کی وحی قطعی اور معصوم ہے جبکہ الہام قطعی اور معصوم نہیں۔

۴۔ امام غزالی کے نزدیک وحی میں فرشتہ کا واسطہ ہوتا ہے جبکہ الہام میں فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا۔

۵۔ شیخ اکبر کے نزدیک الہام بھی فرشتہ کے واسطہ سے ہوتا ہے لیکن الہام کو سنتے وقت ملہم فرشتہ کو دیکھتا نہیں ہے جبکہ وحی کے نزول کے وقت اللہ کا نبی فرشتہ کو دیکھ بھی رہا ہوتا ہے اور الفاظ وحی کو سن بھی رہا ہوتا ہے۔

۶۔ شیخ اکبر نے وحی اور الہام میں ایک فرق اور نقل کیا ہے کہ وحی صرف روح القدس یعنی حضرت جبرئیل لے کر آتے ہیں جبکہ الہام کسی دوسرے فرشتہ کے ذریعہ آتا ہے۔

۷۔ وحی کا اعلان نبی کے لیے ضروری ہے جبکہ الہام کے اعلان ملہم الیہ کے لیے ضروری نہیں۔[۳۰]

محدث اور الہام میں فرق

الہام کا بڑا درجہ محدث کہلاتا ہے' محدث کے معنی ہیں' جس سے بات کی جائے' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بنی اسرائیل میں ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو نبی نہ ہوتے تھے لیکن بارگاہ الٰہی سے ان سے کلام ہوتا تھا' میری امت میں اگر اب کوئی شخص ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔"[۳۲]

حضرت عمرؓ کی زندگی میں ایک سے زائد مرتبہ ایسا ہوا آپ نے ایک بات نبی کریمؐ سے عرض کی اور اس کی موافقت میں وحی نازل ہوگئی' ان واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت عمر کے لیے مکلم (محدث) کا لفظ استعمال ہوا۔ لیکن یہاں بھی آپؐ کے ارشاد مبارک میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ آپ نے بنی اسرائیل میں ایسے لوگوں کے لیے جو مکلم ہوتے تھے' نبی نہ ہونے کی وضاحت کردی' یعنی مکلم ہونا نبوت کی علامت اور نشانی نہیں۔

۲۔ آپ نے بنی اسرائیل میں مکلم ہونے کی خبر پورے یقین و جزم کے ساتھ دی کہ بنی اسرائیل میں ایسا ہوتا تھا جبکہ اپنی امت میں اس حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میری امت میں کسی کو یہ حیثیت حاصل ہو تو یعنی یہ کوئی یقینی امر نہیں کہ کسی کو یہ حیثیت میری امت میں حاصل ہے اور اگر ہو تو وہ صرف عمرؓ ہیں یعنی صحابہ میں بھی کسی اور کو یہ رتبہ حاصل نہیں تو صحابہ کے بعد کسی کو کیسے حاصل ہو سکتا ہے اور پھر یہ کہ

مکلمیت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی رائے کی تائید میں بعد میں وحی نازل ہو' اب جبکہ وحی کے نزول کا سلسلہ ختم ہوچکا' کسی کی رائے کی تائید میں وحی کا نزول ممکن نہیں' اب کوئی شخص وحی کی تائید تو کر سکتا ہے' وحی اس کی تائید نہیں کرے گی اور حضرت عمر تو اس تائید کو بھی اپنا کمال نہیں گردانتے تھے بلکہ اللہ کی عنایت و رحمت سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا میرے پروردگار نے میری موافقت و تائید میں وحی نازل کی بلکہ ہمیشہ یوں کہا:

"وافقت ربی فی ثلث"(۳۲)

"میری رائے نے تین مرتبہ میرے رب سے موافقت کی"

جس ذات کی حقیقتاً" پروردگار نے تائید و موافقت کی ہو' وہ تو یہ کہہ رہا ہو کہ میری رائے نے موافقت کی' تو جس شخص نے واقعتاً" وحی کی موافقت کی ہو' اس کی کیا جرات ہے کہ وہ یہ کہے کہ پروردگار نے میری رائے کی موافقت میں وحی نازل کی۔

الہام کی حجیت

الہام اور وحی میں فرق کی بحث سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ وحی یقینی طور پر اللہ کا کلام بھی ہے اور اس کی حفاظت بھی کی جاتی ہے جبکہ الہام میں یہ یقین ہے کہ یہ اللہ کی گفتگو ہے اور نہ ہی اس کی حفاظت کا یقین ہے۔ چنانچہ نبی کی وحی بہرکیف وحال حجت ہے، جبکہ الہام کو احکام شریعت پر پرکھا جائے گا اگر یہ الہام شرعی احکام کے مطابق ہے تو حجت اور قابل عمل ہے اور شرعی احکام کے خلاف ہے تو قابل عمل نہیں۔ اہل السنت و الجماعت کے تمام طبقات' محدثین' متکلمین' صوفیاء اور فقہاء اسی بات پر متفق ہیں۔

حقیقت نبوت

۱۔ حقیت نبوت میں سب سے اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ نبوت و رسالت ایک وھبی منصب ہے جو اللہ کے فضل و کرم سے بندہ کو عطا ہوتا ہے' یہ کسی سعی و کاوش' محنت و ریاضت کے نتیجہ میں ملتا ہے اور نہ ہی یہ بنی نوع انسان کے ارتقاء اور ترقی کی کوئی شکل ہے۔

۲۔ اللہ کے تمام انبیاء علیہم السلام اللہ کے معصوم بندے ہوتے ہیں۔ اللہ کی نافرمانی اور

گناہ و معصیت کے ارتکاب کا تصور بھی ان سے ممکن نہیں۔ یعنی قصداً" کوئی خطا ان سے سرزد نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ[۴۳]

"اگر انبیاء کرام معصوم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کبھی ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار نہ دیتا۔

۳۔ نبوت و رسالت کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا۔ انبیاء علیہم السلام میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق حق جل مجدہ ارشاد فرماتے ہیں خلقت بیدی[۴۴] میں نے اس آدم کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور نہ صرف یہ کہ اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا بلکہ و نفخت فیہ من روحی[۴۵] (اس میں اپنی جانب سے روح بھی پھونکی)

نبوت و رسالت کا یہ عظیم سلسلہ مختلف مراحل طے کرتا ہوا نبی کریم ﷺ پر اپنے کمال و معراج کو پہنچا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر بھی انبیاء و رسل مبعوث فرمائے' ان کو مختلف خصوصیات و اوصاف سے نوازا ان تمام اوصاف و کمالات کو نبی کریمؐ کی ذات اقدس میں جمع کردیا۔ حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک کے تمام انبیاء کے انفرادی خصائص و کمالات اور معجزات و براہین نبی کریمؐ کی ذات واحد میں جمع ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے آپ کی نبوت کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا[۴۷]

(اے نبی مکرم ہم نے آپ کو گواہ' خوشخبری دینے والا' ڈرانے والا' اللہ کی اجازت سے اس کی طرف بلانے والا' اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ظاہر و باطن اور مقامات نبوت و خاتمیت کو نہایت لطیف اور حسی انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو' آپ کی ذات اور نبوت و رسالت کو اور اس کے مقام عالی کو بیان کرنے کے لیے ایک ایسی مخلوق کا استعارہ استعمال کیا گیا جو اپنے مادی اوصاف و کمالات میں اور اپنے منفعت اور فائدہ کے لحاظ سے یکتائے عالم مخلوق ہے' اس کی اسی حیثیت کو دیکھتے ہوئے' ایک زمانہ اسے معبود سمجھ کر' اس کی پرستش کرتا رہا۔ اللہ کی وہ مخلوق سورج ہے۔ آسمان میں روشن تمام ستارے اسی سورج

سے روشنی حاصل کرکے منور اور روشن ہیں۔

۵۔ انبیاء علیہم السلام اللہ اور بندہ کے درمیان ایک برزخ کبریٰ کی حیثیت رکھتے ہیں بندہ اللہ پر ایمان لانے' اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے قدم قدم پر نبی کا محتاج ہے۔

نبی کے واسطہ کے بغیر وہ اللہ کی معرفت حاصل کرسکتا ہے نہ اللہ پر ایمان لاسکتا ہے' اللہ کے احکام و فرامین کو سمجھ سکتا ہے نہ ان پر عمل پیرا ہوسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں ایمان باللہ کا ذکر ہوتا ہے' ایمان بالرسول کا ذکر بھی ہوتا ہے' جہاں اطاعت الٰہی کی بات ہوتی ہے' اطاعت الرسول بھی ساتھ ہی مذکور ہوتا ہے۔

معجزہ ---- نبوت و رسالت کی دلیل

نبوت و رسالت کی حقیقت کو سمجھنے کے بعد ضروری ہے کہ یہ بھی سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر ایسے معجزات عطا کیے جو حیران کن حقیقتوں پر مبنی ہوتے تھے۔ معجزہ کی حقیقت کو سمجھنے سے پہلے دو باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔

۱۔ حق جل مجدہ نے اس کائنات کو پیدا کیا اور اس کائنات کے لیے ایک نظام بھی بنایا' ایک خاص ترتیب و تنظیم کے تحت اس کائنات کا نظام سالہا سال سے چل رہا ہے اور قیامت تک چلتا رہے گا۔

کائنات کا یہ مرتب و منظم نظام اسباب و مسبب کی لڑی میں پرویا گیا ہے ہر چیز کو حاصل کرنے اور ہر مقصد کو پورا کرنے کے لیے ایک نظام تشکیل دیا گیا ہے' ہر مخلوق کی کچھ مخصوص خصوصیات بنائی گئی ہیں مثلاً پانی کی خصوصیت بہا کر لے جانا اور آگ کی خصوصیت جلا کر راکھ کردینا بنائی گئی' لیکن جس طرح اللہ نے کائنات کا یہ نظام پیدا فرمایا' مسبب و اسباب کا سلسلہ تخلیق فرمایا' مخلوقات کو خصوصیات عطا فرمائیں' وہی پروردگار عالم اس بات پر قادر ہے کہ وہ جب چاہے' اس نظام سے ہٹ کر کوئی واقعہ رونما کرکے دکھادے' اسباب کے بغیر مسبب تخلیق فرمادے یا ان خصوصیات کو وقتی طور پر ختم کردے۔

۲۔ اس کائنات رنگ و بو میں کچھ قدرتی مخلوقات و مناظر پائے جاتے ہیں اور کچھ ایجادات' ایجادات کی دنیا میں مقابلہ کا رجحان پایا جاتا ہے۔ انسانی ایجادات کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ویسی یا اس سے اعلیٰ اور بہتر ایجاد لائی جاسکتی ہے' لیکن اپنی تمام تر

سائنسی ترقی کے باوجود مخلوق خالق کائنات کی پیدا کردہ اشیاء کا مقابلہ کرسکتی ہے' نہ ان جیسی ایجادات بناسکتی ہے۔ آج تک سورج بنایا جاسکا ہے نہ چاند' ستارے پیدا کیے جاسکے نہ بادل' سمندر تخلیق کیے جاسکے نہ زمین پیدا کی جاسکی۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ کائنات میں اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ قرآن کریم نے یہ چیلنج دیا لن یخلقوا ذبابا" ولو اجتمعوا له (۳۷)

درج بالا حقائق کو سمجھنے کے بعد معجزہ کو سمجھنا آسان تر ہوجائے گا۔ کہ جب ہم اس بات کے قائل' اس پر ہمارا پختہ ایمان ہے کہ اللہ اس کائنات کا خالق بھی اور رب بھی' ہمیں یہ سمجھنے اور یہ عقیدہ رکھنے میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس کائنات میں اسباب کے بغیر بھی کچھ پیدا کرنے پر اللہ کی ذات قادر ہے۔ چنانچہ اگرچہ اس نے انسان کے وجود کے لیے مادی اسباب میں مرد و عورت کا ملاپ ضروری قرار دیا لیکن وہ جب چاہے اس ملاپ کے بغیر ایک انسان تخلیق کرسکتا ہے اور اسی اصول پر اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ حق جل مجدہ نے پانی کو بہا کر لے جانے کی صلاحیت عطا فرمائی تو اسی پروردگار عالم نے اس وقت پانی کی اس صلاحیت کو سلب کرلیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے نام لیوا اسی پانی سے گذر رہے تھے' جس پروردگار عالم نے آگ میں یہ صلاحیت پیدا کی کہ اس میں جو چیز ڈالی جائے جل کر راکھ ہوجاتی ہے۔ اسی قادر مطلق ہستی نے آگ کی اس صلاحیت کو اس وقت معدوم کردیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا۔

اس تمام بحث کا یہ نتیجہ نکلا کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے سلسلہ میں جو آیات قرآنیہ یا احادیث نبویہ ہمارے سامنے آتی ہیں' وہ اپنے صحیح اور حقیقی معنی پر مشتمل ہیں' ان کے وہی معنی ہیں جو عام حالات میں سمجھے جاتے ہیں' نہ یہ کوئی تمثیلی رنگ ہے۔(۳۸) نہ یہ خواب ہے اور نہ ہی یہ اس طرح کی حقیقت ہے کہ لوگوں کو قانون فطرت کا علم نہ تھا' لوگ ان چیزوں کو ناممکن سمجھتے تھے' اس لیے ان کو حقیقی معنی پر محمول کیا وگرنہ کسی نص صریح سے ثابت نہیں کہ حضرت یونس کو واقعی مچھلی نے نگلا تھا' حضرت ابراہیم کو درحقیقت آگ میں ڈالا گیا تھا۔(۳۹)

انبیاء علیہم السلام نے ان معجزات کے ذریعہ اپنے مدمقابل لوگوں پر غلبہ حاصل کیا' وہ اپنی تمام تر فنی مہارت کے باوجود ان معجزات کا مقابلہ کرنے سے قاصر رہے' اور ان کی نبوت کے ایسے قائل ہوئے کہ بھرے دربار میں انہوں نے فرعون کی دھمکی کی پرواہ نہ کی اور اعلان کردیا:

لن نو ثرک علی ما جاء نا من البینت والذی فطرنا فاقض ما انت قاض انما تقضی هذه الحیوة الدنیا انا آمنا بربنا (۴۰)

(ان واضح دلائل کے مقابلہ میں جو ہمارے سامنے آچکے ہیں' تیری دھمکیوں کا ہم پر کوئی اثر نہ ہوگا' تو صرف اس دنیا میں فیصلہ کرسکتا ہے ہم تو اپنے اصل پروردگار پر ایمان لاچکے ہیں)

انبیاء کی بشریت

اسلام کے تصور نبوت و رسالت کے ضمن میں یہ حقیقت سمجھنا بھی ضروری ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے نبی کریمؐ تک تمام انبیاء علیہم السلام بنی نوع انسان میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی ما فوق الفطرت مخلوق کو اپنا نبی یا پیغمبر نہیں بنایا۔ قرآن کریم میں جابجا انفرادی طور پر بھی وضاحت کی گئی اور بحیثیت مجموعی بھی اسی حقیقت کو واضح کیا گیا۔ ارشاد الٰہی ہے :

ذالک بانهم كانت تاتيهم رسلهم بالبينت فقالوا ابشر يهدو ننا فكفروا وتولوا[41]

(ان لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر واضح نشانیاں لے کر آئے تو ان لوگوں نے ان کے متعلق یہ کہا کہ کیا آدمی ہماری ہدایت کے لیے بھیجے گئے ہیں)

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

وما منع الناس ان يومنوا اذجاء هم الهدى الا ان قالوا ابعث الله بشرا رسولا[42]

(ان لوگوں کے سامنے ہدایت قبول کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ یہ لوگ یہ کہتے تھے کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے)

حضرت نوحؑ' حضرت موسیٰ و ھارون[44] اور حضرت صالحؑ[45] علیہم السلام پر بغوائے قرآنی یہی اعتراض کیا گیا کہ یہ اگر نبی ہیں تو جنس بشر کیوں ہیں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام بنی نوع نسان سے تھے۔ اور ان کا بشر ہونا یا ان کو بشر قرار دیا جانا ان کے منصب نبوت کے منافی نہیں بلکہ کار نبوت کو آگے بڑھانے اور اشاعت دین میں ان کے لیے ممد و معاون ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء کے جنس بشر سے ہونے کی چند حکمتیں بھی بتائیں۔

۱۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی حکمت یہ معلوم ہوئی کہ اللہ کے تمام انبیاء و رسل' اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کے داعی بن کر آئے' کسی نبی نے اپنی قوم کو اپنی عبادت و بندگی کی طرف نہیں بلایا۔ اگر انبیاء علیہم السلام کی عبادت اور ان کی بندگی مطلوب ہوتی تو ایسی مافوق الفطرت مخلوق بنائی جاتی اور اسی میں سے انبیاء بھیجے جاتے جن پر ربوبیت و

الوہیت کا شبہ کیا جاسکتا ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا۔

ماکان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ (۴۶)

(کسی بشر سے یہ بات ممکن نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور فہم نبوت عطا کریں اور وہ قوم سے یہ کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر تم میرے بندے بن جاؤ)

دوسری حکمت سورۃ بنی اسرائیل میں یوں ذکر کی گئی۔

قل لوکان فی الارض ملٰکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا (۴۷)

(آپ فرمادیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے رہتے' چلتے پھرتے اور آباد ہوتے تو پھر ہم ضرور آسمان سے فرشتوں کو ہی نبی بنا کر بھیجتے)

یعنی اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے' ان کی ہدایت اور رہنمائی مطلوب ہوتی تو آسمان سے فرشتے ہی نبی بنا کر بھیج دیئے جاتے لیکن اس کے برعکس جب ہدایت انسان کی مطلوب ہے اور یہ مقصد انسان میں سے نبی بنا کر ہی زیادہ احسن طریقہ سے حاصل ہوسکتا ہے تو نبی کی بشریت پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ انبیاء علیہم السلام جن مقاصد کے حصول کے لیے مبعوث ہوئے ہیں' وہ مقاصد صرف انسانوں کی بعثت سے ہی حاصل ہوسکتے ہیں' وہ مقاصد کیا ہیں' سطور آئندہ میں ان پر گفتگو ہوگی۔

مقاصد نبوت و رسالت

حضرت آدم سے نبی کریمؐ تک جس قدر بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے' جس قدر بھی کتب و صحف کا نزول ہوا' جتنی شریعتیں اور ادیان آئے' ان تمام کا مقصود اللہ کی معرفت' اس کے احکام کی ہدایت اور اس کی اطاعت و عبادت کی دعوت دینا ہے۔

اللہ کے تمام انبیاء علیہم السلام اسی مقصد کے لیے آئے کہ بندوں کو اللہ سے ملادیا جائے' اس کے احکام کا پابند بنادیا جائے اور اس کا مطیع و متقی بنا دیا جائے۔ اس ضمن میں سورۃ الشعراء اور سورۃ الانبیاء خصوصی طور پر رہنمائی کرتی ہیں۔ سورۃ الشعرا میں حضرت موسیٰ (۴۸) حضرت ابراہیم (۴۹)، حضرت نوح (۵۰)، حضرت ھود (۵۱)، حضرت صالح (۵۲)، حضرت لوط (۵۳)، اور حضرت شعیب (۵۴)، علیہم السلام کی بعثت و رسالت کا مقصد یہ بیان کیا گیا کہ قوم میں اللہ کا خوف' اس کا تقویٰ اور اس کی یکتائی کے عبادت کا تصور پیدا کیا جائے۔ سورۃ الانبیاء میں حضرت موسیٰ' ہارون'

ابراہیم' نوح' داؤد' سلیمان' اسمٰعیل' ادریس' ایوب' ذوالکفل' یونس' زکریا ان تمام انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ور ان کے ذکر کے آغاز اور اختتام پر ان کی بعثت کا مقصد بیان کیا' آغاز میں ارشاد فرمایا:

"وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون"[۵۵]

(اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا' جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں' پس میری ہی عبادت کرو)

اختتام پر ارشاد فرمایا۔

ان ھذہ امتکم واحدۃ و انا ربکم فاعبدون[۵۶]

(ان سب انبیاء کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ میں تمہارا رب ہوں' سو میری عبادت کرو۔)

یعنی انبیاء علیہم السلام کے مقصد بعثت میں بہت بنیادی اور اساسی نوعیت کے مقاصد دو تھے۔

۱۔ اعتقادی اور نظریاتی زندگی کی اصلاح قوم کو ہر قسم کے شرک اور ہر نوع کی بت پرستی سے نجات دلا کر ایک خدائے وحدہ' لاشریک پر ایمان کی دعوت و تلقین۔

۲۔ عملی زندگی کی اصلاح اس ضمن میں بنیادی طور پر ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلایا گیا اور پھر جس قوم میں جو خرابی تھی' اس عملی خرابی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی مثلاً حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کی عملی خرابی کا ذکر کرتے ہوئے' انہیں اس طرح متنبہ کیا:

اتبنون بکل ریع آیۃ تعبثون و تتخذون مصانع لعلکم تخلدون و اذا بطشتم بطشتم جبارین[۵۷]

(کیا تم ہر اونچے مقام پر یادگار کے طور پر عمارت بلا ضرورت بناتے ہو' اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے تم کو دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر دارو گیر کرنے لگتے ہو' تو بالکل ظالم اور جابر بن کر دارو گیر کرتے ہو)۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم اسراف یعنی فضول خرچی کی جانب متوجہ کیا اور چھوڑنے کا حکم دیا۔

نبی کریم ﷺ کے مقاصد بعثت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ نظریاتی'

فکری، اعتقادی، عملی اور اخلاقی زندگی کی مکمل اصلاح کے لیے نبی کریم کو جو مقاصد عطا فرمائے گئے، وہ بہت جامع، بھرپور اور ہمہ گیر ہیں۔ فکر و عمل اور نظریہ و اخلاق کی چند مخصوص خرابیوں اور ان کی اصلاح کو مقاصد نبوت بنانے کی بجائے حسب ذیل مقاصد ذکر کیے گئے:

۱۔ تلاوت آیات اللہ
۲۔ تعلیم کتاب و حکمت
۳۔ تزکیہ نفوس۔[(۵۸)]
۴۔ غلبہ و شوکت دین۔[(۵۹)]

یہ ایسے مقاصد ہیں کہ جن کے ذریعہ خرابی فکر میں ہو یا عمل میں، اعتقاد میں ہو یا نظریہ میں، اخلاق میں ہو یا عبادت میں، معاملات میں ہو یا معاشرت میں، فرد کی زندگی میں ہو یا قوموں کی زندگی میں، معیشت میں ہوں یا تمدن میں، تہذیب میں ہوں یا ثقافت میں، سیاست میں ہو یا حکومت میں، آجر میں ہو یا اجیر میں، چھوٹے میں ہو یا بڑے میں اور حاکم میں ہو یا محکوم میں، شعبہ زندگی کو درست جہت اور صحیح سمت عطا کی ہے۔ اور اب روز قیامت تک ہمارے ان تمام شعبوں کی صحیح اور دائمی اصلاح کا کوئی نسخہ ہے تو وہ شریعت محمدیہ کی اتباع اور پیروی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس شریعت کا تابع اور فرمانبردار بنائے۔ آمین

❖❖❖

حواشی و حوالہ جات

۱۔ الحج : ۵۲
۲۔ الاعراف : ۱۲
۳۔ الاعراف : ۲۳
۴۔ ص : ۳۸
۵۔ آل عمران : ۹۶
۶۔ المائدہ : ۹۷
۷۔ الاعراف : ۱۷۹

۸۔ محمد اعلیٰ تھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون ص ۱۳۵۷
۹۔ ابن منظور، لسان العرب ج ۶: ص ۴۳۵ بذیل مادہ
۱۰۔ راغب اصفہانی، مفردات فی غریب القرآن ص ۸۲، ۴۸۱
۱۱۔ اعلیٰ کتاب مذکور: ص ۱۳۵۸
۱۲۔ ایضاً: ۱۳۵۹
۱۳۔ قرطبی، احکام القرآن ج ۱۲: ص ۸۰
۱۴۔ رازی، التفسیر، ج ۲۳: ص ۴۸
۱۵۔ آلوسی، روح المعانی، ج ۹: ص ۱۷۳
۱۶۔ عثمانی، شبیر احمد علامہ، فضل الباری، کراچی، ادارۂ علوم شرعیہ، ۱۹۷۳ء، ج ۱، ص ۱۳۱
۱۷۔ راغب، کتاب، مذکور: ص ۴۵۵
۱۸۔ ابن منظور، کتاب مذکور: بذیل مادہ
۱۹۔ ایضاً: ج ۶: ص ۴۷۸۷، بذیل مادہ
۲۰۔ مریم: ۱۱
۲۱۔ الکہف: ۶۸ ۔ ۲۰: طہٰ: ۳۸ ۔ ۲۸: القصص: ۲۷
۲۲۔ الکہف: ۶۸
۲۳۔ الانعام: ۱۱۲، ۱۲۱
۲۴۔ الانعام: ۹۳
۲۵۔ عثمانی، کتاب مذکور: ج ۱: ص ۱۲۹
۲۶۔ فصلت: ۵۳
۲۷۔ طہٰ: ۳۸
۲۸۔ الانفال: ۱۲
۲۹۔ الکہف: ۶۸
۳۰۔ عثمانی، کتاب مذکور ج ۱: ص ۱۳۱
۳۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عمر
۳۲۔ النساء: ۸۰
۳۴۔ ص: ۳۸
۳۵۔ الحجر: ۲۹

۳۶۔ الاحزاب : ۴۵
۳۷۔ النجم : ۴۳
۳۸۔ عصر حاضر کے ایک مولف نے اپنی کتاب "حسن تفسیر" میں انبیاء سابقین علیہم السلام' ان کے تمام واقعات' اور افراد کو تمثیلی قرار دیا ہے اور لکھا ہے فرعون و ھامان اور نمرود و قارون یہ سب کچھ کرداروں کے عنوان ہیں۔ مطلق العنان بادشاہت کو فرعونیت اور بادشاہ کو فرعون قرار دیا گیا' سرکاری کارندوں کی ظالمانہ روش کو ھامان کا نام دیا گیا اور مال و دولت کے نشہ میں متکبرانہ طریقہ اختیار کرنے والوں کو قارون کے نام سے تعبیر کیا گیا۔
۳۹۔ اس خیال کا اظہار سرسید احمد خان نے اپنی کتاب "التحریر فی اصول التفسیر" مطبوعہ رحمان پریس لاہور ۱۸۹۳ء میں کیا ہے اور اس اصول کی بنیاد پر انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے بہت سے معجزات کا انکار کیا ہے اور ان کی اس طرح تعبیر کی ہے کہ ان کی معجزانہ رنگ ختم ہو کر رہ جائے۔
۴۰۔ طہ ۲۲' ۲۳
۴۱۔ التغابن : ۶
۴۲۔ بنی اسرائیل : ۹۴
۴۳۔ المومنون : ۲۴
۴۴۔ المومنون : ۴۷
۴۵۔ ابراہیم : ۱۰
۴۶۔ آل عمران : ۷۹
۴۷۔ بنی اسرائیل : ۹۵
۴۸۔ الشعراء : ۱۱
۴۹۔ الشعراء : ۹۰
۵۰۔ الشعراء : ۱۰۸
۵۱۔ الشعراء : ۱۲۶
۵۲۔ الشعراء : ۱۴۴
۵۳۔ الشعراء : ۱۶۳
۵۴۔ الشعراء : ۱۷۷

۵۵۔ الانبیاء : ۲۵

۵۶۔ الانبیاء : ۹۲

۵۷۔ الشعراء : ۱۲۸ تا ۱۳۰

۵۸۔ آل عمران : ۱۶۴

۵۹۔ التوبہ : ۳۳